معاصر اسلامی دنیا اور تصوّف: مابعد نوآبادیاتی تناظر میں

ڈاکٹر الطاف انجم

اسسٹنٹ پروفیسر اردو

کشمیر یونیورسٹی، سرینگر

تلخیص: یہ مقالہ دو حصوں پر مشتمل ہے جس کے پہلے حصہ میں عالمِ اسلام کی خونین صورتِ حال کا اجمالی خاکہ کھینچا جائے گا جب کہ دوسرے حصہ میں معاصر اسلامی دنیا میں تصوّف کے پھیلاؤ کے محرکات اور اس کے اثرات پر بحث ہوگی۔ بظاہر یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ضروری متصور کی جارہی ہیں بلکہ ایک دوسرے کی ترقی اور توسیع کے لیے اہم سمجھے جاتے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں معاصر اسلامی دنیا کی ناگفتہ بہ صورتِ حال اور تصوّف کے پردے میں اسلام دشمن سرگرمیوں کے عروج کے جملہ ابعاد کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کلیدی لفظیات: اسلامی اقدار، تصوف، مشرقیت، اسلام دشمنی، مغربیت، اطلاعاتی تکنالوجی، تہذیب وثقافت، نوآبادیات، عالمگیریت، فنافی الذات، فنافی الشیخ۔

عصرِ حاضر کا مسلمان اغیار کی فتنہ سامانیوں اور اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اس قدر مقہور و مظلوم ہے کہ عالمی سطح پر اُس کی بربادی کے چرچے ہر قصر وایوان کے مستقل موضوعات بن چکے ہیں۔ عالمی سطح پر اسلام دشمن طاقتوں نے اپنی قیامت زدہ چالوں سے کم و بیش ہر اسلامی ملک کو زیر کر رکھا ہے۔ مابعد نوآبادیات کا ہر طالبِ علم اس بات سے بہ خوبی واقف ہے کہ سامراجی طاقتیں تیسری دنیا اور بالخصوص ترقی پذیر ممالک کو اپنی نوآبادیات بنانے میں کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتیں بلکہ ذرائع ابلاغ کے مختلف اور متنوع وسائل کو کام میں لا کر ہر دم اُنہیں رام کرنے کی کوششیں جاری و ساری ہیں۔ اطلاعاتی تکنالوجی کی بے حد وحساب ترقی اگرچہ طلسم نہ سہی لیکن ہوش رُبا ضرور ہے جس نے ایک طرف مسلمانوں کی پستی میں قابلِ لحاظ حد تک اضافہ کیا ہے تو دوسری جانب اسلام دشمن طاقتوں نے اس کے استعمال سے اسلام اور مسلمان کی ایک ایسی ہیبت ناک تصویر پیش کی جو کسی بھی سادہ لوح انسان کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے کافی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ کہیں کہیں پر مسلمان بہک کر اپنے دشمن کی صفوں کو مضبوط کرنے کے لیے مہرے کا کام کرتا ہے اور اس طرح وہ بذاتِ خود اغیار کے حلقۂ دام میں آکر اُن کے عزائم کی تکمیل کر رہا ہے۔ ہم اگر اپنے پڑوس تک ہی نظر دوڑائیں تو پاکستان کی مثال ہم سب کے لیے چشم کشا ہے جہاں پچھلی دہائی میں ''ضربِ عضب'' کے نام پر کلمہ خواں مسلمانوں نے دوسرے کلمہ خواں مسلمانوں کو تہہ و تیغ

کر کے اپنے ہاتھ لہو سے دھو دیے ہیں اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی نام پر تا حال جاری ہے۔ اب یہاں پر اہلِ نظر حضرات مخمصے کا شکار اس لیے ہیں کہ مارنے والا اللہ اکبر کہہ کر تیر و تفنگ کی مشق کرتے ہوئے غازی کا لقب حاصل کرتا ہے اور مرنے والا کلمۂ حق لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ ﷺ ادا کر کے جامِ شہادت نوش کرتا ہے۔ غرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کو غازی اور اس کے مقتول کو شہید کا درجہ دینے والوں نے اسلام کے کس پیغام کو سمجھا ہے اور وہ کس اسلام کی تتبع میں اپنی صبح کو شام کرتے ہیں۔ افغانستان کی صورتِ حال بھی پاکستان سے مختلف نہیں ہے۔ یہاں روسی اور امریکی سامراجی طاقتوں نے بالترتیب جو خون کا رقص گزشتہ نصف صدی سے جاری رکھا ہوا تھا اور جس کی نذر لاکھوں معصوم اور نہتے انسان ہو چکے ہیں۔ یہ سب عالمی جمہوری اداروں کی غیر جمہوری، غیر قانونی اور غیر انسانی کارستانیاں اور نارسائیاں ہیں۔ جو حضرات عالمی سیاسیات سے معمولی دلچسپی بھی رکھتے ہوں اُن کو یہ معلوم ہوگا کہ لیبیا شمالی افریقہ کا ایک ایسا متمول ملک رہا ہے ''جہاں بجلی مفت تھی، تعلیم مفت تھی، اور طبّی سہولیات مفت تھیں، جہاں عوام کو سود سے پاک قرض دیا جاتا تھا، جہاں کار کی خریداری پر حکومت ۵۰ فیصد کی رعایت دیتی تھی، جہاں بے روزگاروں کو بھتہ ملتا تھا،'' امریکہ اور اس کے حلیف ممالک نے کرنل قدافی کی سربراہی والی سرکار کے خلاف درپردہ سازشیں رچائیں، عوامی سطح پر بغاوت کی علم بلند کرائی گئی اور بالآخر قدافی کی موت اور جمہوریت کے نام پر ملک کا سیاسی نقشہ تبدیل کر دیا گیا اس طرح نتیجے کے طور پر یہ ملک آج خانہ جنگی کی وجہ سے کسمپرسی کی حالت میں ترقی یافتہ ممالک کے سامنے کشکول لے کر کھڑا نظر آتا ہے۔ اسی طرح مصر میں ڈاکٹر محمد مرسی کی سربراہی والی اخوان المسلمین کی جمہوری حکومت کی بیخ کنی کی گئی اور ڈرامائی انداز میں عبدالفتح السیسی کو تخت نشین کر دیا گیا، شام میں جہاں ایک طرف شیعہ نواز مسلح تنظیم حزب اللہ اور ایران و روس کی پشت پناہی والا بشار الاسد کا غیر اخلاقی اور غیر جمہوری آمرانہ اور جابرانہ طرزِ حکومت کے تحت معصوم و مظلوم رعایا کے نفس پر گراں بار ہوتا جا رہا تھا وہیں دوسری جانب اسلامی نظامِ حکومت (خلافت) کی تشکیل و تنظیم کے حامی متحارب گروہ ایسی مذموم حرکتوں کے مرتکب ہو رہے تھے جن سے انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، اب سالِ گزشتہ (۲۰۲۴ء) کے اختتام کے ساتھ ہی بشار الاسد کے اقتدار کا سورج بھی لبِ بام آگیا اور وہ جان کی امان کے لیے سرزمین روس کو سُدھارے۔ عراق میں عوامی تباہی کے ہتھیار (Weapons of Mass Destruction) کے منظّم اور بدنام ڈرامے کے نتیجے میں تقریباً تین لاکھ بے گناہ شہریوں کو جرمِ بے گناہی میں موت کی آغوش میں سلایا گیا اور بعد ازاں شیعہ اور سُنی مسالک کی دیوار کھڑا کر کے غیر مختتم خانہ جنگی اور آپسی دشمنیوں کو جنم دے کر نور المالکی کی کٹھ پُتلی سرکار کو استحکام بخشنے کی ناکام کوششیں کی گئیں، اب نہ صرف عالمِ عرب بلکہ شمالی افریقہ کے لیبیا میں جہاں عوام کو دولتِ اسلامیہ فی العراق و شام (داعش) کی غیر اسلامی اور مذموم حرکات، یمن میں حوثی باغیوں کی غیر معمولی قوتِ مزاحمت اور سعودی عرب اور اُس کے اتحادی طاقتوں کے پُر عزم خلائی حملے، ترکی میں حالیہ انتخاب میں رجب طیب اردگان کی اسلام پسند جماعت کے مقابلے میں کُرد نواز سیکولر گروہ کی قابل لحاظ کامیابی، جزیرۂ عرب میں ایران کی مبینہ دہشت گردی اور فتنہ پروری کی سازشیں؛ یہ اور اس طرح کی بہت سی مثالیں سامنے ہیں جہاں ہم یوروپ اور امریکہ کی بالواسطہ اور بلاواسطہ شر انگیزی اور مسلم دشمن کارروائیوں کو محسوس اور غیر محسوس طریقے سے دیکھ سکتے ہیں۔ واقع یہ ہے کہ چی گویرا، یاسر عرفات، نیلسن منڈیلا، مارٹن لوتھر کنگ، جیسے راہ نما دنیا کو روز روز نصیب نہیں ہوتے بلکہ یہ دیدہ ور بڑی مشکل سے چمن میں پیدا ہوتے ہیں جب کہ سامراجی طاقتوں کے خاکوں میں رنگ بھرنے کے لیے ہر دور میں عبد الفتاح السیسی، نور المالکی، حامد کرزئی کے روپ میں لوگ

سامنے آتے رہتے ہیں۔ غرض عصرِ حاضر کا سیاسی ڈسکورس اسلامی ممالک کی تنزلی، یہودی اور عیسائی گروہوں کی ریشہ دوانیوں، مسلمانوں کی آپسی چپقلش اور خانہ جنگی، غیر اسلامی نظام کی توسیع، اسلحہ کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت جیسے بیانیات (Narratives) سے عبارت ہے۔

معزز قارئینِ کرام؛ آیئے اس طولانی تمہید کے بعد اِن مسائل کو ذہن میں رکھتے ہوئے نظریہ تصوف کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کل حالیہ برسوں میں اہلِ قلم نے تصوّف کی مختلف صورتوں اور اس کی ابتدا کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے لیکن میں یہ دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ عالمِ اسلام کی ناگفتہ بہہ صورتِ حال کو سدھارنے اور بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو راہِ راست پر لانے میں تصوّف کے موئدین اور پیروکار اپنا وہ مخصوص کردار ادا کیوں نہیں کرتے ہیں جس کے لیے اُن کے چرچے ہر مذہبی، نیم مذہبی اور غیر مذہبی مجالس میں ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ صوفی حضرات بنی اُمیہ کے دور سے اسلامی اقدار و روایات کی شکست و ریخت کے چشم دید گواہ رہے ہیں تو اُن کی موجودگی میں خلافت کے بجائے طوائف الملوکیت کا بازار ہی کیوں گرم ہوتا رہا؟ اسلامی نظامِ حکومت کے استحکام کے لیے صوفیوں کا تاریخ میں کیا کوئی قابلِ ذکر کردار بھی رہا ہے یا وہ صرف کشفِ قبور، تصورِ شیخ، فنافی الذات، فنافی الشیخ، فنافی اللہ، ذکرِ دائمی، مناقشہ، مراقبہ، مجاہدہ جیسے تصورات اور حرکات تک ہی خود کو محدود رکھنے میں عافیت سمجھتے رہے ہیں۔ اسی طرح سماع کی محفلیں پانچ ستارہ ہوٹلوں میں منعقد کی جاتی ہیں، دھمال ڈالے جا رہے ہیں، قونیہ سے لے کر نیو یارک تک، بیروت سے لے کر قاہرہ تک اور استنبول سے لے کر دہلی تک سفید رنگ کے مخصوص ملبوسات میں رقصِ رومی کے محیر العقول مناظر پیش کیے جاتے ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر نومبر ۲۰۱۴ء میں استنبول (ترکی) جانے کا موقع ملا۔ اس علمی سیاحت کے دوران ایک دن میں نے قونیہ کا رختِ سفر باندھا۔ قونیہ ساری دنیا میں رومی اور اس کے مرشد شمس تبریزی کی آخری آرامگاہ کے طور پر مشہور ہے۔ اِن دونوں صوفیوں کے مزارات پر فاتح خوانی کے دوران میں نے ارد گرد کے ماحول کا بھی حتی المقدور جائزہ لیا۔ اس جائزہ کے دوران جو کچھ میرے حیطیہ ٔ ادراک میں آیا، اُس نے مجھے شرعی اعتبار سے بہت مایوس کیا۔ مزارِ رومی سے ملحق بازار میں رومی کے مجسمے مختلف انداز میں دکانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں اور جو خریداروں کے لیے خصوصی دلچسپی کا مرکز بھی ہیں۔ یہ وہی مجسمہ سازی ہے جو بتانِ آذری کی یاد تازہ کرتے ہیں اور جنھوں نے احکامِ الٰہی کو للکارتے ہوئے اللہ تعالٰی کے غیض و غضب کو دعوت دی تھی ؎

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور

تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

اس کے ساتھ ہی قونیہ میں رومی کے نام پر بین الاقوامی مراکز قائم کیے گئے ہیں جہاں رقصِ رومی کی مجالس منعقد کی جاتی ہیں اور محافلِ سماع کا اہتمام پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ مولانا جلال الدین رومی کو ترکی اور بالخصوص قونیہ میں ''میولانا'' کے نام سے پکارا جاتا ہے جہاں اس نام سے ایک شاندار بین الاقوامی نوعیت کی یونیورسٹی بھی قائم ہے جہاں رومی کی تعلیمات کی طرف کم ہی توجہ دی جاتی ہے اور دوسرے جدید علوم کی درس و تدریس کا نہایت ہی موثر انتظام ہے۔ مختصر یہ کہ قونیہ میں رومی کا مزار مختلف غیر شرعی رقص و سرود اور سماع کی محافل کا گہوارہ بنا ہوا ہے جس نے نہ صرف گرد و پیش کے ماحول کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے بلکہ سیاح بھی منفی اثرات کے ساتھ وہاں سے نکلتے ہیں۔ اس طرح قونیہ کے شہر کے یہ مناظر

دیکھ کر کسی بھی باغیرت مسلمان کا اضطراب وانتشار میں مبتلا ہونا طے ہے۔ غرض رقص، سرود، دھمال اور سماع کی مجالس کا انعقاد اپنی سرشت میں غیر شرعی ہے ہی اور اِن میں مخلوط مرد وزن کی موجودگی اُس پر مستزاد ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی حرکتیں عصرِ حاضر کے صوفیوں کے محبوب اور مشتاق مشغلے ہیں۔ کیا دورِ حاضر کے صوفیوں کو عالمِ اسلام کی خون ریز صورتِ حال کی طرف ایک لمحہ بھی توجہ کرنے کی فرصت نہیں؟ کیا اُن کو اِٹلی کے ساحل پر شام کے تارکینِ وطن کا وہ کربیہ المنظر واقعہ بھی نہیں جھنجھوڑتا ہے جس میں کشتی اُلٹنے سے تین سالہ ایلان الکردی نے اوندھے منہ گر کر اپنی جان بے کسی اور مجبوری کے عالم میں جانِ آفرین کے حوالے کر دی۔ ۲ ستمبر ۲۰۱۵ء کو پیش آئے اس واقعہ نے عالمی سطح کے حکمرانوں، رضار کار تنظیموں اور اہلِ دل حضرات کو ششدر کر دیا لیکن صرف صوفیا ہیں جن کو یہ واقعہ متاثر نہ کر سکا۔ حالیہ مہینوں میں اسرائیل نے مغربی ممالک کی سرپرستی میں جس طرح فلسطین کے لاکھوں گھروں کو نیست ونابود کر کے لاکھوں نفوس پر مشتمل آبادی کو بے کسی اور بسی کی مثال بنا دیا اُس کا نظارہ تا حال چشمِ فلک نے نہیں دیکھا ہوگا۔ اِن عالمی مسائل اور حادثات کو نو آبادیاتی صحافت نے مسلمانوں کی دہشت گردی سے موسوم کر دیا ہے اور ہمارے علما وائمہ دین کی صوفیانہ تعبیر و تفسیر میں مصروفِ عمل ہیں۔ اگر تصوّف یہی ہے تو اسلام کو ہر گز اس کی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح کے مخربِ اخلاق مناظر اور حرکات کا کسی اِزم، دین، نظام یا عقیدہ سے تعلق ہو تو ہو لیکن یہ کسی بھی صورت میں اُس اسلام سے منسلک نہیں ہو سکتا ہے جس کے مکمل ہونے کی بشارت نبی برحق حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وصعلم نے حجتہ الوداع کے موقع پر قرآن پاک کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم (ترجمہ: آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا) فرما کر دی تھی۔ اگر تصوّف واقعی اسلام کے لیے کسی بھی صورت میں فائدہ مند ہوتا تو قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ کیوں کر اِس کے مباحث سے خالی ہوتے؟ کیا ربِ ذوالجلال (جلہ شانہ) اِن کو اسلام کا حصہ نہیں بناتے؟ اسلامی تعلیمات کی معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر انسان جانتا ہے کہ جہاں قرآنِ پاک میں چیونٹی، مکھی اور مکڑی جیسے حشرات الارض جانداروں کا ذکرِ جمیل موجود ہے لیکن تصوّف کے بارے میں کوئی تاکید یا اطلاع نہیں ہے۔ جس طرح دورِ حاضر میں مختلف مسلم دانشورانِ کرام بالخصوص تصوف کے ماہرین نے لفظ ''احسان'' کے توسط سے ''تصوّف'' کو قرآن وحدیث سے جوڑا، تو اُن سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر ''احسان'' کے حوالے سے ''تصوّف'' کو اسلامی نظریہ تصور کیا جائے تو پھر اس طرح بہت سے غیر ضروری تصورات کو اسلام کا جزو بنانے میں کیا حرج ہے؟ بہر حال تصوّف کو کتنا بھی اسلامی قرار دیا جائے، یہ بات تو طے ہے کہ خود حضورِ اقدس محمد مصطفےٰ ﷺ اور ان کے صحابہ کبار کے دور میں نہ تو تصوّف تھا اور نہ اُس سے ملتی جلتی کوئی چیز تھی۔ عہد حاضر کے ایک اسلامی اسکالر راشد شاز نے لکھا ہے کہ:

> ''محمد رسول اللہ ﷺ صوفی نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے متصوفین کا کوئی گروہ تشکیل دینے کی کوشش کی۔ صدرِ اول میں کسی ایسے حلقۂ باصفا کا سراغ نہیں ملتا جس نے وحی سے ماورا معانیِ وحی کی دریافت کی کوشش کی ہو، یا جس نے اوراد و وظائف کے ذریعے عملی زندگی کا کوئی دستور العمل مرتب کیا ہو۔ دین کا متصوفانہ تصور اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جو غلو فی الدین کے راستے داخل ہوا اور جس نے آگے چل کر دینِ مبین کی شکل ہی بدل

ڈالی۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلام میں تصوّف کی پیدائش ایک بڑی جسارت سے عبارت ہے جو شقی القلبی کے بغیر انجام پا سکتا تھا اور نہ ہی شاطرانہ گوسفندی کے بغیر اس کی تعمیر ممکن تھی۔‘‘[۱]

جیسا کہ بعض دانشوروں نے اکیسویں صدی میں تصوّف کے بے حد و حساب پھیلاؤ کو نو آبادیاتی نظام کی کوئی سازش ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک اہم بات کی طرف ہم سب کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ میں یہاں پر غیر شعوری طور پر اُن کی تائید میں عرض کرنا چاہوں گا کہ دنیا کے مختلف ممالک میں رومی کے نام پر کئی بین الاقوامی نوعیت کے مراکز قائم کیے جا چکے ہیں جہاں غیر اسلامی نوعیت کی حرکات کو پذیرائی عطا کر کے اُنہیں اسلام کے متبادل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح استنبول، انقرہ اور دنیا کے بیشتر شہروں میں بدیع الزماں سعید نورسی کے نام پر نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ متواتر بین الاقوامی سمینار اور مجالس منعقد کی جاتی ہیں جہاں اُن کے ’’رسالۂ نور‘‘ کا زور و شور سے پرچار تو کیا جاتا ہے لیکن اِس کے ماننے والوں کی ظاہری وضع قطع اور نشست و برخاست کے آداب سے کم سے کم دینِ محمدی ﷺ کی تتبع کا کوئی گمان نہیں گزرتا۔ راقم کو ایک بار اُن کی نشست میں بیٹھنے کا موقع ملا جہاں شرکائے مجلس مغربی طرز کے سوٹ بوٹ اور ٹائی میں ملبوس تھے اور وہ ترکی زبان میں ’’رسالۂ نور‘‘ کی تعلیمات بیان کرتے، اس مجلس کے ایک منتہم پروفیسر فرئیس کا یا نے مجھے ’’رسالۂ نور‘‘ کی ایک جلد مع انگریزی ترجمہ تھمائی جس کا میں نے اس دوران مطالعہ کیا۔ اِن مجالس سے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچے یا نہیں البتہ یہ بات طے ہے کہ ایک مخصوص طبقے کے لوگوں کو کئی اعتبار سے مالی اور دوسری نوعیت کے فائدے ضرور پہنچ رہے ہیں۔ یہ مخصوص طبقہ اپنے وضع کردہ منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کیا کیا حربے اختیار کر رہے ہیں اُن کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے جس میں ایک قطب الاقطاب اپنے حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے

> ’’ہم نے خود کو اولیا اللہ کی فہرست میں شامل کر لیا اور اپنے اکابرین کی قبروں کو فیوض و برکات کے کارخانے قرار دے کر انہیں فتوحات و نذرانے کا ذریعہ بنایا۔ دیکھتے دیکھتے قرآن کی انکشافی تحریک قبّوں اور قبرستانوں کی تہذیب بن گئی۔ دنیا کی کسی بھی تنظیم کے پاس اتنے بڑے پیمانے پر ایسے کارگر تنظیمی دفاتر نہیں ہیں جن پر معاشی طور پر خود کفالت بلکہ مرفہ الحالی کا دور دورہ ہو۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ مجموعی آمدنی اور assests کی شکل میں جو کچھ ہم درویشوں کے پاس ہے اس کا مقابلہ دنیا کی امیر ترین حکومتیں، نامی گرامی سرمایہ دار اور Billionaire Club کے اراکین بھی نہیں کر سکتے۔‘‘[۲]

مذکورہ اقتباس ہم طالبانِ علم و ادب کے لیے کئی اعتبار سے چشم کشا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر تصوّف یا صوفیہ سے کوئی دل چسپی ہے اور نہ ہی تعلق، البتہ ہم عصر دنیا میں جس نوعیت کا شور و غوغا تصوف کے نام پر برپا کیا جا رہا ہے وہ ایک سنجیدہ اور ذی ہوش مسلمان کے لیے پریشان کن ہے۔ اکثر صوفیا کی مجالس میں صوفیائے کرام سے منسوب نیم حقیقی اور غیر شرعی واقعات بیان کر کے حاضرینِ مجلس کو اللہ تعالیٰ جلہ شانہ کے مقابلے میں اُن کی مخلوق کے گھڑے

ہوئے قصے سنائے جاتے ہیں۔ یہاں پر میں صرف ایک قصہ کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ ایک حکایت میں آیا ہے کہ ابوالحسن قرقانی(۹۷۱ءتا۱۰۳۰ء) ایک دن اپنے مریدوں کے ساتھ سرمستی میں محو تھے کہ نِدا آئی:

''کیا میں تمہارے چاہنے والوں کو بتادوں کہ تم اپنے عشق میں گرفتار ہو کر شریعت کو بھول گئے ہوتا کہ وہ تم پر پتھر برسائیں۔''

حضرت نے فوراََہی جواب دیا:

''اے غفور الرحیم، تم سے بے حساب رحم و کرم پانے والوں کو کیا میں بتادوں کہ تمہارا ارادہ کیا ہے تاکہ پھر کبھی تمہاری عبادت میں سر نہ جھکائیں''۔۳

اس نوعیت کی بیسیوں حکایتیں عوام و خواص کے حلقوں میں مقبول ہیں جنھوں نے دینِ اسلام کے ایک نئے ایڈیشن کو متہم بالشان انداز میں پیش کیا اور اس طرح قرآنی الفاظ اور تراکیب کو صوفیائے کرام نے مخصوص معانی و مطالب پہنائے جس کا رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ قرآن پاک پر دبیز پردے ڈال کر اُسے صرف صوفیا کی جاگیر قرار دیا۔ آج کے پُر انتشار معاشرے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک انسان کو یہ سمجھایا جائے کہ معبودِ برحق اللہ جلہ شانہ اور اُن کے رسول حضرتِ محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اُن سے اتنے ہی نزدیک ہیں جتنے صوفیا یا دوسری مخلوقات ہیں۔ اسی طرح وہ قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ کا متن جس ذہن، ذوق، ظرف اور عقیدے کے ساتھ پڑھیں گے، اُن کے لیے وہ ہدایت، نجات اور کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہوگا۔

اسلام کی اشاعت اور ترسیل کے کام میں صوفیائے کرام کے خدمات ہماری اسلامی تاریخ کا ایک مستقل باب بن چکا ہے۔ اس ضمن میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ آیا بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کو ہی صوفیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یا صوفیا اولالذکر سے مختلف کوئی گروہ ہے۔ میں اپنے اس مقالے کا اختتام مسجدِ نبوی ﷺ کے خطیب شیخ ابو بکر الجزائری کے اس قول پر کرتا ہوں کہ:

''تصوّف یا تو عین اسلام ہے یا غیر اسلام....... عین اسلام ہے تو ہمارے لیے اسلام ہی کافی ہے۔ غیر اسلام ہے تو اس کی ضرورت نہیں ۴ ''

اس بات سے ہم سب تقریباََ متفق ہیں کہ ہمارے اپنے علمی ذخائر اور روایات نوآبادیاتی دور میں اس طرح پیش کیے گئے گویا کہ وہ کوئی اہم چیز نہ ہو کر متعفن زدہ اور حقیر بن کر رہ گئے ہیں۔ مذکورہ بالا سطور میں تصوف کے جس پہلو پر خامہ فرسائی کی گئی ہے وہ تصوف کے اُس گہرے رنگ سے قریب قریب خالی نظر آتا ہے جو ہمارے اسلاف کے پاکیزہ اور تطہیری اوصاف سے معرضِ وجود میں آچکا تھا۔ غور کرنے پر ہر ایک قاری اسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ جس طرح نوآبادیاتی عہد میں ہمارے علوم اور فنون کو بہ چشمِ کم دیکھا گیا ہے اور اُن کو مسخ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے عین اسی طرح تصوف کے میدان میں بھی نئی بدعات کو مغربی علما نے رواج دیا۔ جنھوں نے روح کی تطہیر کے بجائے ظاہری عوامل پر زور دینا شروع کر دیا۔ اس طرح حالیہ دہائیوں میں تصوف وہ اصلی صورت بگڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے جس کی آبیاری محی الدین ابنِ عربی، مولانا جلال الدین رومی، حضرت جنید بغدادی، حضرت رابعہ

بصری، شیخ علی ہجویری جیسے اکابرین نے اپنے اپنے طور پر کی ہے۔ غرض تصوف میں داخلی میلانات کے بجائے خارجی عوامل کے اظہار کو تقویت ملتی گئی جس کا بنیادی مقصد اس کو اپنی روح سے عاری کرنا سمجھا جارہا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ راشد شاز، ادراکِ زوالِ اُمت، ملی پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2005ء ص۔۳۱۴

۲۔ راشد شاز، لستم پوخ، ملی پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2013ء ص۔۰۲۲

۳۔ بحوالہ تصوّف بہ یک نظر، از قدیر زمّاں، فورم فار ماڈرن تھاٹ اینڈ لٹریچر، حیدرآباد، 2006ء ص۔۷۲۔۸۲

۴۔ ایضاً۔ پچھلا سرورق

☆☆☆